ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)

Vol.8. No.1 2025

"خفتگانِ خاک سے استفسار" کا مابعد الطبیعیاتی جائزہ

ڈاکٹر عبدالرحیم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور

عاطف منظور

لیکچرر اُردو (وزٹینگ)، ڈویژن آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

ڈاکٹر محمد امجد عابد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Dr. Abdul Raheem
Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. Islamia Graduate College, Civil Lines, Lahore
Atif Manzoor
Lecturer Urdu (Visiting), Division of Education,
University of Education, Lahore.
Dr. Muhammad Amjad Abid
Associate Professor, Department of Urdu,
University of Education, Lahore.

Abstract:
The poem Khuftagan-e-Khaak se Istifsaar by Allama Iqbal is a profound reflection on the mysteries of life, death, and the afterlife. It questions the silence of those who have passed away, seeking answers from the dwellers of the grave. This research article critically analyzes the poem, delving into its philosophical underpinnings and its call for introspection and intellectual engagement. The study explores Iqbal's unique approach to addressing existential questions, his use of poetic devices, and the broader socio-religious implications of his message. By encouraging readers to reflect deeply on human destiny and purpose, Iqbal challenges traditional perspectives, inspiring a transformative thought process. This article aims to highlight how the poem serves as a timeless invitation for intellectual and spiritual awakening.

Keywords: Universe, Life, Literature, Allama Iqbal, Mytaphysics, Philosophy, Death, Graveyard, Poetry, Hope.

کلیدی الفاظ: کائنات، زندگی، ادب، علامہ اقبال، مابعد الطبیعیات، فلسفہ، موت، قبرستان، شاعری، امید

انسان جس کائنات میں سانس لے رہا ہے اس کا نظام اُصول وضوابط کے تابع ہے۔ زمین کی گردش، دن اور رات کا تغیر و تبدل، موسموں کا الٹ پھیر، بارش کا برسنا، نباتات کا پھلنا پھولنا، فصلوں کی کاشت یا کٹائی کے معاملات وغیرہ یہاں تک کہ انسانی رہن سہن، بود و باش اور زمانۂ ازل سے دورِ حاضر اور پھر ابد تک کا دار و مدار جن علوم پر ہے ان میں طبیعیات، کیمیا، نباتات، ارضیات، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، عمرانیات، مصوری، موسیقی، سنگ تراشی، تعمیر سازی اور ادب وغیرہ شامل کیے جاسکتے ہیں۔ ان متذکرہ بالا علوم کا تعلق دنیا اور اس کے مظاہر سے منسلک ہوتا ہے۔ جب کہ مابعد الطبیعیاتی علم وہ ہے جو کائنات میں اس کے مظاہر کے پس منظری حقائق کو دریافت کرتا ہے۔ وہ باتیں حقیقتِ مطلق (یعنی خدا)، روح، حیات بعد از ممات، خیر و شر، کائنات، وقت، مکان، دیومالائی، مافوق الفطرت اساطیری علم وغیرہ سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ مابعد الطبیعیات کے حوالے سے ابو الاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

> "وہ تمام موضوعات و مسائل جو طبیعی علوم کے دائرہ بحث سے خارج، طبیعی فکر و نظر کی حدود سے ماوراء اور مشاہدہ و تجربہ کے احاطے سے باہر ہیں، مابعد الطبیعیات کے دائرے میں آتے ہیں۔ مابعد الطبیعیات اس قسم کے سوالات سے بحث کرتی ہے۔ وجود کیا ہے؟ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا کائنات کا کوئی مقصد ہے؟

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کیا کائنات کا کوئی خالق ہے؟ انسان کہاں سے آتا ہے؟ کدھر جاتا ہے؟ کیا روح کا وجود ہے؟ روح کیا چیز ہے؟
کیا وہ بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے یا جسم سے الگ زندہ رہ سکتی ہے؟"۱

اکثر اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے ایک سوال عموماً اٹھاتے ہیں کہ کیا اقبال ایک شاعر تھے یا وہ فلسفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس باب میں عرض ہے کہ اقبال بنیادی طور پر ایک فلسفی تھے جنھوں نے اپنے نظریات کی ترویج اور فروغ کے لیے شاعری کے وسیلے کو اپنایا۔ یہ الگ بات ہے کہ اقبال کے نظریات کے فروغ میں شاعری نے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے انھیں شاعری کی معراج تک پہنچا دیا ہے چونکہ اقبال نے میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ۔ ڈی کی۔ ان کے مقالے کا عنوان "ایران میں مابعد الطبیعیات"(Metaphysics in Persia) تھا۔ اس لیے اقبال کی شاعری اور نثر دونوں میں اس طرز کی بحثوں کا آنا ایک فطری بات تھی۔

"خفتگانِ خاک سے استفسار" بانگِ درا کی اولین نظم ہے جو فہرست میں تیرہویں نمبر پر درج ہے۔ اس کے تین بند جبکہ اشعار کی تعداد ۲۶ ہے۔ اس نظم کے حوالے سے غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"یہ نظم فروری ۱۹۰۲ء کے مخزن میں شائع ہوئی تھی اور اسکے چالیس اشعار تھے۔ نظر ثانی میں صرف
چھبیس شعر باقی رکھے گئے۔"۲

'خفتہ' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سوئے ہوئے کے ہیں۔ فارسی میں جاندار چیز کی جمع بنانے کے لیے "ان" استعمال کیا جاتا ہے۔ خفتہ کا لفظ "ہ" پر ختم ہوا ہے۔ اس لیے "ان" لگانے سے پہلے "ہ" کے لفظ کو "گ" میں بدل کر تب "ان" کے اضافے سے 'خُفتگان' کا لفظ معرضِ وجود میں آیا ہے۔ خاک مٹی کو کہتے ہیں اور استفسار سے مراد سوال ہے۔ اس نظم کے عنوان کا عام فہم الفاظ میں مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ قبر میں مدفون یا سوئے ہوئے افراد سے سوالات، تین بند کی اس نظم میں اقبال نے ان سوالات کے جواب چاہے ہیں جن سے اُن کا عمر بھر واسطہ رہا ہے۔ اور جو آج بھی ہر ذی شعور کو تفکر و تدبر کی دعوت دیتے ہیں۔ جینا کون نہیں چاہتا اور موت کسے خوف زدہ نہیں کرتی؟ اکثریت پر ان کے اثرات تقریباً ویسے ہی مرتب ہوتے ہیں جیسا کہ اُنھیں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن استثنائی صورت حال سے بھی انکار ممکن نہیں ہے۔

"خفتگانِ خاک سے استفسار" تین بندوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کا جائزہ بھی ان تین بندوں کے تناظر میں لیا جائے گا۔ پہلا بند ۶ جبکہ دوسرا اور تیسرا بند بالترتیب ۱۲ اور ۰۸ اشعار پر پھیلا ہوا ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو پھر اس پر بات کی جائے گی:

مہر روشن چھپ گیا، اُٹھی نقاب روئے شام
شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے
محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
کر رہا ہے آسماں جادُو لبِ گفتار پر
ساحرِ شب کی نظر ہے دیدۂ بیدار پر
غوطہ زن دریائے خاموشی میں ہے موجِ درا
ہاں، مگر اک دُور سے آتی ہے آوازِ درا
دل کہ ہے بے تابیٔ الفت میں دُنیا سے نفور
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامۂ عالم سے دُور
منظرِ حرماں نصیبی کا تماشائی ہوں میں
ہم نشینِ خفتگانِ کنجِ تنہائی ہوں میں۳

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نظم کا پہلا بند جہاں اُس کی تمہید ہے وہاں منظر نگاری کی صورت میں اگلے دو بندوں اور اُن سوالات کا جواز بھی فراہم کرتا ہے جو آگے چل کر اس نظم کا موضوعِ بحث بنتے ہیں۔ موت، غم، دُکھ، پریشانی، تفکر اور تدبر کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے شاعر نے اس کی منظر کشی بھی اتنے ہی پُر شکوہ انداز میں کی ہے۔ شاعر نے شام کا منظر کچھ یوں پیش کیا ہے کہ سورج غروب ہو چکا ہے اور شام کے چہرے سے نقاب اُٹھ گئی ہے اور کائنات کے کندھوں پر شام نے اپنے بال کچھ اس انداز میں بکھیرے ہیں کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور وہ اندھیرا بھی اتنا سیاہ ہے جتنا مرنے والے کے غم میں کسی نے سیاہ لباس زیب تن کر رکھا ہو۔ اس طرح ساری کائنات سیاہی میں ڈوب کر ماتم کر رہی ہے۔ ایسے میں رات اس کی تاریکی جاگنے اور باتیں کرنے والے انسانوں پر اثر انداز ہو کر اُنھیں بھی نیند کی آغوش میں سلانے پر بر سرِ پیکار ہے یعنی جیسے جیسے تاریکی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے دنیا کی چہل پہل کم ہو رہی ہے اور ہر طرف تاریکی اور نیند کا دور دورہ ہے۔

تاریکی میں جیسے چیزیں نظر نہیں آتی تو اُن کا صرف اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے ویسے ہی اگلی زندگی حیات بعد الموت کے بارے میں انسان جتنا بھی جان لے وہ اتنا ہی کم، غیر واضح اور مبہم ہے۔ اس کے ساتھ نیند کو موت کی بہن سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ نیند اور خاموشی میں بھی آپس کا ایک گہرا تعلق ہے۔ جیسے نیند موت کی نقیب ہے ویسے ہی خاموشی کی بازگشت سے بھی اس کے آثار و شواہد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر اس منظر میں یہ کہہ کر مزید معنی خیز اضافہ کر دیا گیا ہے کہ صرف ذی روح ہی خاموش نہیں بلکہ ہوا نے بھی دَم سادھ لیا ہے اور اس ساکت و جامد ماحول میں کہیں سے گھنٹی کی آواز آ رہی ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ گھنٹی کی آواز کہیں پکارنے، بلانے اور متوجہ کرنے کے لیے ہوتی ہے وہیں یہ آواز خبر دار کرنے کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ خاموشی میں گھنٹی کی مدھم اور نحیف آواز کا آنا بھی اپنے آپ میں معنی و مفاہیم کی ایک دنیا سموئے ہوئے ہے۔ یہ خاموشی زمانوں کی خاموشی ہے جو فراموش ہو چکے ہیں جس سے حال کے باسی بے خبر ہیں۔ وہ کتنے ہی کروڑوں اربوں بلکہ لامتناہی سالوں پر محیط ہیں جس کا ادراک عقل کے بس کی بات نہیں اور کتنے ہی زمانے اس کی ایک لپیٹ میں سمائے ہوئے ہیں؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خاموشی میں آواز صاف، واضح اور اونچی ہوتی ہے لیکن یہاں آواز باریک اور مدھم ہے اس کی وضاحت "دُور" کے لفظ سے بھی ہو رہی ہے۔ یہ دُوری کتنی مسافت پر محیط ہے؟ اس پر منقول اور معقول دونوں روایات ہی خاموش ہیں۔ دینی ادب سے جو بات ملتی ہے وہ یہی ہے کہ زمین سے پہلے آسمان کی مسافت پانچ سو سالوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس طرح ہر آسمان کی مسافت بھی آپس میں پانچ سو سالوں پر مشتمل ہے۔ سات آسمانوں کا سفر پینتیس سو سالوں کی مسافت پر محیط ہے۔ اس سے آگے سمندر ہے وہ کتنی مسافت لیے ہوئے ہے؟ یہ بات بھی لاینحل ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا تخت ہے جسے فرشتوں نے تھام رکھا ہے۔ وہ تخت کتنا بڑا ہے؟ یہ بات اپنی جگہ انسانی عقول کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ جن فرشتوں نے اُسے تھام رکھا ہے وہ کتنے بڑے ہیں؟ یہ بات بھی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی کہ اگر ایک پرندہ اُن کے کندھے سے اُڑے تو اُسے اُن کے کان تک پہنچنے کے لیے بھی پانچ سو سال درکار ہیں۔ عالمِ ارواح کی ایسی ہی منزل سے آواز آ رہی ہے۔ ایک طرف خاموشی جہاں موت کی علامت بن جاتی ہے وہاں دوسری طرف گھنٹی کی آواز واپسی کے بلاوے کا کام بھی کرتی ہے۔ سفر آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑنے کے لیے خبر دار بھی کر رہی ہے۔ نظم کا پہلا بند اگرچہ شام کا منظر بیان کرتا ہے لیکن اس منظر میں بھی ان سوالات کی بازگشت محسوس کی جا سکتی ہے جنھوں نے قارئین کے دل و دماغ کے دریچوں پر دستک دے کر انھیں عدم آباد کے جزیروں کو آباد کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

موت کیا ہے؟ یہ تو وہ ہے جو دماغ سے منصوبے، زبان سے لذت، آنکھوں سے اُمید اور زندگی سے سرشاری کی کیفیت سلب کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاعر کو زندگی کی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو اس کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ اُسے دنیا کی عارضی زندگی اور اُس کے ہنگاموں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے شاعر اُن سے لاتعلق ہو کر شہرِ خاموشاں میں آ کر پناہ لیتا ہے۔ جب شاعر پر اس دنیا کی حقیقت کُھلتی ہے تو وہ اُس دنیا میں دلچسپی لینے لگتا ہے جس کی زندگی کو دوام حاصل ہے۔ اس عارضی دنیا سے محبت انسان کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہے جب کہ فکرِ آخرت اُسے موت کے خوف سے آزادی عطا کرتی ہے۔ اس ضمن میں واصف علی واصف بیان کرتے ہیں:

> "بے مصرف زندگی کی سزا موت کا خوف ہے۔ با مقصد حیات موت سے بے نیاز، موت کے خوف سے آزاد، اپنے مقصد کے حصول میں مصروف رہتی ہے۔ عظیم انسان بھی مرتے ہیں لیکن اُن کی موت اُن کی عظمت میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ موت انسان سے اُس کی بلند نگاہی، بلند خیالی، بلند ہمتی نہیں چھین سکتی۔ وہ لوگ موت کے سائے میں زندگی کے ترانے گاتے ہیں۔ زندگی کا نغمہ الاپتے ہیں۔ زندگی کے اس مختصر

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عرصے میں جواں ہمت آسمانوں کو چھو آئے۔۔۔ عالی مرتبت عرش کی بلندیاں سر کر آئے اور کم حوصلہ اپنے اندیشوں کے خول سے باہر نہ نکلے۔ موت فانی زندگی کو دائمی حیات میں بدل دیتی ہے۔ فنا سے بقا کا سفر موت کے گھوڑے کی پشت پر ہوتا ہے۔ موت کے لیے تیار رہو اور موت کا خوف نہ کرو۔"۴

اس بند کے آخری شعر میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ متذکرہ بالا بیم ورجا کی کیفیت شاعر کا بے چین اور دُنیا سے نفرت کرنے والا دل نہ صرف اُسے دُنیا کے ہنگاموں سے بہت دُور لے جاتا ہے اور وہ دنیا سے رخصت ہونے والوں کے درمیان اُن کی نامرادیوں اور ناکامیوں کی حالت زار کا جائزہ لینے کے لیے قبرستان میں فروکش ہو جاتا ہے۔ نظم کے اس بند پر پروفیسر شریف کنجاہی کا موقف ہے کہ:

"اس نظم میں پہلی بار حیات و مرگ کے حوالے سے وہ سوال اُٹھائے گئے ہیں جن سے شاعرِ مشرق عمر بھر نبرد آزما رہا۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبرستان میں جانا کم سے کم آج سے پون صدی پہلے تک اکثر مسلمان گھرانوں کی روایت تھی اور لوگ عموماً صبح کی نماز کے بعد اسی قبرستان کا رخ کیا کرتے جہاں اُن کے عزیز و اقارب دفن ہوتے لیکن اقبال وہاں اس معمول و مروج وقت نہیں جاتے بلکہ اس وقت جاتے ہیں جب مہر روشن چھپ گیا، اٹھی نقاب روئے شام اور شانہ ہستی پہ گیسوئے شام بکھرا ہوا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہاں جانے کا محرک ایصال ثواب قسم کا کوئی جذبہ نہیں تھا بلکہ دنیا یعنی اہل دنیا سے نفور دل کا، تنہائی کی تلاش میں ادھر کا رخ کرنا تھا۔ تنہائی جو شام کے وقت قبرستان سے بڑھ کر کہیں میسر نہیں آتی اس تنہائی میں پہلی بار اقبال کے دل میں اگلے جہان کا خیال ایک جواب طلب شدت کے ساتھ ابھرا۔"۵

مذکورہ بند ہی کے حوالے سے ڈاکٹر شفیق احمد کا کہنا ہے:

"اس بند کا کمال یہ ہے کہ اس میں مرنے والوں کا اور قبرستان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس منظر کشی میں الفاظ بھی ایسے لائے گئے ہیں جو ماحول سے پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً گیسو کا بکھرنا، سیاہ لباس پہننا، ماتم، خاموشی اور لوگوں کا سونا وغیرہ"٦

نظم کے اس بند میں جہاں شام کے منظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کے ساتھ شاعر کی دُنیا سے لاتعلقی اور قبرستان کا رخ کرنا اصل میں ان سوالات کی تمہید ہے جس کا تعلق مابعد الطبیعیاتی عناصر سے منسلک ہوا ہے جب کہ اس بند کے چوتھے شعر میں دریائے خاموشی، دُور اور آوازِ درا کے پس منظر پر غور کریں تو ان الفاظ کا اشارہ لامکان کی طرف ہے۔ اس کائنات میں تو زندگی رواں دواں ہے جس کی کشاکش نے خاموشی کو متاثر کیا ہے لیکن کائنات سے باہر نکل کر دیکھیں تو ہر طرف خاموشی کی راجدھانی ہے۔ دُور کے لفظ میں بھی اس دنیا سے لامکان کی وسعتوں کا لامتناہی فاصلے کی طرف نظر جاتی ہے۔ جس کی مسافتوں کو ماپنے کا کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا۔ اسی طرح آوازِ درا یا گھنٹی کی آواز زندگی سے رخصتی کے لیے قوسِ رحلت کا کام کر رہی ہے۔ بقول سلیم ساگرؔ:

راہ دیکھوں تو میری تاب سفر جاتی ہے
یہ نظر ہے کہ جو تاحدِ نظر جاتی ہے
جانے کس موج میں رہتا ہے سمے کا دریا
جانے کس مد میں یہاں عمر گزر جاتی ہے۷

دوسرے بند میں اقبال نے مابعد الطبیعیاتی تناظر میں جن سوالات کو اُٹھایا ہے ان کو کماحقہ سمجھنے کے لیے نظم کا دوسرا بند ملاحظہ ہو:

تھم ذرا بے تابی دل! بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اے مئے غفلت کے سرمستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اُس دیس کی آخر، جہاں رہتے ہو تم؟
وہ بھی حیرت خانۂ امروز و فردا ہے کوئی؟
اور پیکار عناصر کا تماشا ہے کوئی؟
آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
واں بھی جل مرتا ہے سوزِ شمع پر پروانہ کیا؟
اُس چمن میں بھی گُل و بلبل کا ہے افسانہ کیا؟
یاں تو اک مصرعے میں پہلو سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی گرمی سے کیا واں بھی پگھل جاتا ہے دل؟
رشتہ و پیوند یاں کے جان کا آزار ہیں
اُس گلستاں میں بھی کیا ایسے نوکیلے خار ہیں
اس جہاں میں اک معیشت اور سو اُفتاد ہیں
روح کیا اُس دیس میں اِس فکر سے آزاد ہے؟
کیا وہاں بجلی بھی ہے، دہقاں بھی ہے خرمن بھی ہے؟
قافلے والے بھی ہیں، اندیشۂ رہزن بھی ہے؟
تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
خشت و گِل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے؟
واں بھی انساں اپنی اصلیت سے بیگانے ہیں کیا؟
امتیازِ ملت و آئیں کے دیوانے ہیں کیا؟
واں بھی کیا فریاد بلبل پر چمن روتا نہیں؟
اِس جہاں کی طرح واں بھی دردِ دل ہوتا نہیں؟۸

نظم کا یہ بند ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ پچھلا بند ۶ اشعار میں مکمل کیا گیا ہے۔ جس میں شام کا منظر اور زندگی کی ناپائیداری کے ادراک سے غم و حزن کی جو تصویر پیش کی گئی اس بند کا ساتواں شعر پچھلے بند میں سلسلہ کلام جہاں منقطع ہوا تھا اس سے بات کو منسلک کرتا ہے اور اس بند کے باقی گیارہ اشعار سوالات در سوالات کی اک نشست پر منحصر ہیں۔ جن کا تعلق مابعد الطبیعیاتی عناصر سے جُڑ کر نظم کی وُقعت میں اضافے کا باعث ہے۔ اس بند کے آغاز میں اقبال دُکھ اور کرب کی حالت میں شہر خموشاں کے باشندوں سے سراپا سوال ہیں کہ تمھاری اس دردناک اور غمناک حالت پر وہ نہ صرف اندوہ گیں ہیں بلکہ مجبوری و بے بسی اور غربت و لاچاری پر دیدۂ گریاں کے سیلاب برسانے پر مجبور ہیں۔ پھر شاعر مزید سوال کرتا ہے کہ اے بے ہوشی کی شراب میں ڈوبے ہوئے لوگو! (یعنی مردو) تم مرنے کے بعد جس بستی میں قیام پذیر ہو وہاں تمھارے رہن سہن اور زندگی گزارنے کے طور طریقے کیا ہیں؟ کیوں کہ اس دُنیا میں زندگی کے قیام کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسا ماحول ترتیب دیا ہے جو انسانوں اور باقی ذی روح مخلوقات کے لیے رہنے کے قابل ہے جیسے انسانوں کو آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے درخت پیدا کیے گئے ہیں اور اُن درختوں کی زندگی کے لیے کاربن ڈائی آکسائیڈ کا وجود ناگزیر ہے جو انسان اپنی سانسوں کے ذریعے خارج کرتا ہے۔ اگر درخت ختم کر دیے جائیں تو انسانی زندگی معدوم ہو جائے اور پھر انسانوں کے ناپید ہونے سے درختوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ کیوں کہ دونوں کا وجود ایک

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔ زمین پر کشش ثقل سے جو انسانوں کو اس زمین پر چلنے پھرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے جب کہ عدم میں کیا وہاں بھی اس نوع کی کوئی چیز ہے جو لوگوں کے لیے آسانی فراہم کرتی ہے۔

شاعر پھر اگلا سوال یہ پوچھتا ہے کہ اس دنیا کا نظام دن رات اور موسموں کے تغیر و تبدل سے تشکیل پاتا ہے جس کی بدولت آج، کل کی کڑیوں سے ماضی، حال اور مستقبل کے زمانے بنتے ہیں۔ اسی طرح اس جہان کی ترکیب میں آگ، پانی، مٹی اور ہوا کیا وہ بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے؟ انسانوں کی زندگی نہ صرف ان عناصر سے متاثر ہوتی ہے بلکہ ان کے اثرات ان کی طبیعتوں میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ جس کی بدولت کیا وہ لوگ بھی اس زمین کے باشندوں کی مانند لڑائی، مار کٹائی، دھینگا مشتی، افراتفری، چھینا جھپٹی، حسد رقابت اور قتل وغارت گری جیسی قبیحات میں مبتلا ہیں۔ اقبال قبر میں دفن افراد سے مزید دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ مجھے بتاؤ اس دنیا میں لوگ جس طرح سے مجبور و بے بس اور احساس محرومی کا شکار ہیں کیا وہاں متذکرہ بالا چیزیں چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ اس جہانِ رنگ و بو میں پروانے کا شمع سے لگاؤ اور بلبل کی پھول سے محبت بہت معروف ہے کیا وہاں بھی اس نوعیت کا تعلق ان چیزوں کے مابین موجود ہے؟ اس دنیا میں شاعری کی تاثیر یہ ہے کہ ایک باذوق فرد شعر کا ایک مصرعہ ہی سن پاتا ہے کہ اُس پر اُس کا دل تڑپ اُٹھتا ہے۔ اے عدم آباد کے رہنے والو! کیا شعر کی تاثیر تم پر بھی ایسے ہی کارگر ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کی رشتہ داریوں میں مطلب پرستی اور منافقت چھپی ہوئی ہے۔ تمھارے ہاں کے رشتے ناتے اور تعلق واسطے بھی کیا اسی طرح کے پس منظر کے حامل ہیں۔ اس دنیا میں فکر معاش لاتعداد مسائل سے دوچار ہے کیا وہاں کی روحوں کو بھی اسی طرح کے مسائل درپیش ہیں۔ ہمارے ہاں تو لوگ طرح طرح کی فکروں میں مبتلا ہیں۔ کسانوں کے گندم اور دوسری زرعی اجناس کے ذخیروں کو آسمانی بجلی اور اسی طرز کی پریشانیوں کا سامنا رہتا ہے جب اہل قافلہ کو لٹ جانے کا خوف لاحق رہتا ہے۔ کیا تمھاری سلطنت میں بھی اس طرح کی پریشانیاں موجود ہیں؟ اور کیا لوگ اُن سے زمینی مخلوق کی طرح ویسے ہی متاثر رہتے ہیں۔ کیا وہاں تمھارے دنیا میں بھی پرندوں کا وجود ہے اور وہ اپنے گھونسلوں کے لیے تنکے اور انسان اپنے گھروں کی تعمیر کے لیے اینٹ اور پتھر کا اہتمام کرتے ہیں یا وہاں رہنے سہنے اور سر چھپانے کے لیے اور نوعیت کی اشیا درکار ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں کے انسان کو اپنی حقیقت کو بھول کر ذاتی، عقیدوں کے جنون میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کیا تمھارے ہاں کے لوگوں کی بھی یہی کیفیت ہے؟ اس دنیا میں تو کسی مظلوم کی فریاد کو اس کا ڈرامہ تصور کیا جاتا ہے اور کسی کو اس سے رتی بھر بھی ہمدردی نہیں ہوتی۔ زمانے کی ستم ظریفی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ڈرامے میں روتے ہوئے کرداروں کے ساتھ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں۔ کیا اِس دنیا کی طرح تمھاری دنیا میں کوئی دردِ دل رکھنے والا موجود نہیں۔ اگر ہے تو اُسے صحیح ادراک نہیں کہ کون سا شخص ہمدردی کا مستحق ہے اور کون سا محض ڈرامہ کر رہا ہے؟ شاعر اُس سوالوں کے سلسلے کو مزید آگے بڑھاتا ہے اور یہاں تک تیسرا بند بھی ایسے ہی سوالوں سے مزین ہے۔ لہٰذا تیسرا بند یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اُن سوالوں کو سمجھ کر اُن سے مابعد الطبیعیاتی عناصر کشید کرنے میں آسانی ہو۔

باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟
یا رُخِ بے پردۂ حُسنِ ازل کا نام ہے؟
کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟
کیا عوض رفتار کے اُس دیس میں پرواز ہے؟
موت کہتے ہیں جسے اہل زمیں، کیا راز ہے؟
اضطرابِ دل کا ساماں یاں کی ہست و بود ہے
علمِ انساں اُس ولایت میں بھی کیا محدود ہے؟
دید سے تسکین پاتا ہے دلِ مہجور بھی؟
"لن ترانی" کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طُور بھی؟
جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟
واں بھی انساں ہے قتیلِ ذوق استفہام کیا؟

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

آہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا معمور ہے؟
یا محبت کی تجلی سے سراپا نور ہے
تم بتادو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے
موت اک چُبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے۹

دوسرے بند کے سوالوں کا تعلق زیادہ تر زمینی حقائق سے متعلق تھا لیکن اس بند میں اُٹھائے جانے والے سوالات کا تعلق عدم آباد سے ہے۔ شاعر نے اپنے تجسس کا رخ دنیاوی معاملات سے آگے بڑھا کر اُن باتوں سے منسلک کر دیا ہے جسے جنت کا نام دیا جاتا ہے۔ وہاں کی زندگی کے بارے میں کون نہیں جاننا چاہتا؟ اس میں سزا و جزا کے مرحلے سے گزر کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے نوازے ہوئے بندے ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے۔ اس لیے اُخروی زندگی کے متعلق جبھی تو یہ سوال کیا گیا ہے کہ وہ بہشت ہے، کوئی باغیچہ، آرام گاہ ہے یا کوئی ایسا مقام ہے جہاں حُسنِ ازل بے نقاب ہو کر سامنے آگیا ہے۔ جہاں جنت کا ذکر آئے گا تو اس کے ساتھ جہنم کا ذکر بھی ضرور موجود ہو گا۔ اس لیے جنت کے بعد جہنم کے بارے میں یہ پوچھا گیا ہے کہ گناہگاروں کو آگ میں ڈالنے کا مقصد اُن کے گناہوں کو بھسم کرنا ہے یا اس سے انھیں جلا کر سزا دینا ہے۔ اس دُنیا میں تو انسان اپنے مادی وجود کے ہوتے ہوئے بھی محوِ پرواز رہ سکتا ہے لیکن تمھاری دنیا میں پرواز کی کون سی صورت ہے؟ اس کے بعد دُنیا کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے جسے کوئی بھی آج تک نہ جھٹلا سکا۔ اقبال اس لیے قبر میں محوِ استراحت لوگوں سے دریافت کرتا ہے کہ ہم تو موت کے راز کو نہ سمجھ سکے۔ کیا تمھیں اس شے کی حقیقت سے آشنائی ہو گئی ہے۔ اگلے شعر میں بھی وہ زندگی اور موت کے راز کو سمجھنے کے خواہش مند ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دُنیا کے محدود علم کے سامنے یہ راز ایسے ہیں جو کُھل کر سامنے نہ آسکے۔ کیا تمھاری دنیا میں تمھیں زندگی اور موت کے مسائل کی مکمل آگاہی حاصل ہو گئی ہے۔ کیا وہاں کے رہنے والے لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گیا ہے کہ وہاں کے طور بھی ''لن ترانی'' کی آوازوں سے گونج رہے ہیں؟ کیا تمھاری دُنیا کے افراد کو تحقیق و تجسس سے روح کو آسودگی میسر آتی ہے یا خوب سے خوب تر کی تلاش نے انھیں لامتناہی تجسس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مزید برآں شاعر پوچھتا ہے کہ اس مادی دُنیا پر تو حسد، رقابت، نفرت و عداوت اور کینہ و ریاکاری کی تاریکیوں نے اپنے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ جب کہ میرا یہ سوال ہے کہ کیا وہاں کی سلطنت محبت کی چمک سے سرتاپا نُور بنی ہوئی ہے۔ پھر آخر میں بات موت پر واپس آجاتی ہے کہ اے قبر میں سونے والو! موت آسماں کا ایسا راز ہے جس کی حقیقت کو جاننے کے لیے انسان مسلسل کوشش کر رہا ہے اور اس راز کا حل نہ ہونا اُسے کانٹے کی طرح مسلسل پریشان رکھتا ہے۔

ان تین بندوں اور ۲۶ اشعار پر مشتمل نظم کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ پہلا بند قبرستان میں جانے اور وہاں کے مناظر پر مشتمل ہے۔ عمومی طور پر مسلمان گھرانے ایصال ثواب کی نیت سے اس طرف کا رُخ صبح سویرے کرتے ہیں لیکن اقبال یہاں شام کے وقت آتے ہیں جب سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے اور اس طرف تنہائی ہی تنہائی ہوتی ہے۔ اقبال جسٹس ہمایوں کی وفات پر جو مرثیہ لکھتے ہیں اس کا اختتام بھی اس شعر پر ہوتا ہے کہ جس میں محولہ بالا نوعیت کا موضوع زیر بحث ہے۔ لکھتے ہیں:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی۱۰

اسی نظم کے آغاز یعنی پہلے بند میں اور پھر تیسرے بند کے آخر میں بھی شاعر نے اس موت کے راز کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے یوں لگتا ہے کہ اصل مسئلہ موت ہے جس کی گتھی سلجھانے کے لیے یہ نظم قلم بند ہوئی ہے۔ باقی موضوعات ضمناً اس کا حصہ بن گئے ہیں۔ دوسرے بند کے موضوعات اصل میں اس دنیا کے مظاہرات کو اُس دنیا میں موجود ہونے یا نہ ہونے سے متعلق ہے مثلاً اُس دنیا کی گزران کیسی ہے؟ دن رات کا نظام، انسانوں کا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کا بیان، اس دنیا کا انسان غموں سے دوچار ہے کیا وہاں بھی ایسی کیفیت ہے۔ یہاں کی محبت اور رقابت کے عناصر کا وہاں موجود ہونے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں تو شاعری، ادب، فنونِ لطیفہ انسانی ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں کیا وہاں بھی اس کے ویسے ہی اثرات دیکھنے میں آتے ہیں؟

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پھر شاعر کہتا ہے کہ جیسے اس دُنیا میں زندگی گزارنے کے لیے فکرِ معاش لازمی ہے کیا وہاں بھی ایسا ہی ہے؟ رشتے داری کے معاملات، مختلف نوع کے خدشات، گھر بنانے کے لیے درکار عناصر، انسان کا اپنی حقیقت بُھول کر ذات اور رنگ و نسل کے تفاخر میں الجھنا اور انسانوں کا دوسرے انسانوں کے دُکھ درد سے لا تعلق ہونے کے بارے میں ہے۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو پہلے بند اور دوسرے بند میں تحیر، پر اسراریت اور غائب کے علم کو جاننے کی جو تگ و دو موجود ہے اس کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ملتا ہے۔

اس نظم کے تیسرے بند کے ڈانڈے تو خالصتاً علم غیب سے متعلق ہیں۔ جیسے جنت اور دوزخ کی حقیقت جاننے کی کوشش، وہاں کی گزر بسر، اخروی زندگی کا رہن سہن، علم کے محدود ہونے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب میسر آنے، روح مطمئن ہے یا لامتناہی تجسس سے دوچار ہے۔ عدم آباد کی دُنیا تاریک ہے یا محبت کی روشنی سے منور ہے۔ پھر آخری شعر میں شاعر موت کے راز کو جاننے کا خواہش مند ہے۔ اس طرح یہ محولہ بالا سوالات جہاں امورِ کائنات سے متعلق ہیں وہاں غیب کے علم سے آشنائی او آگہی حاصل کرنے کی ایک کوشش بھی ہے۔ یہ سب باتیں اور ان کی کڑیاں مابعد الطبیعیاتی عناصر سے ملتی ہیں جس سے اس نظم کی معنویت دوچند ہو جاتی ہے۔ اس سے جہاں زندگی کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے وہاں موت کی کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ زندگی تین مراحل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ پہلا مرحلہ عالمِ ارواح سے اس دنیا میں آمد کا ہے۔ پھر دوسرا مرحلہ یہاں کی زندگی سے متعلق ہے۔ تیسرا مرحلہ اس مادی دنیا سے آخرت کے سفر پر مشتمل ہے۔ تیسرے مرحلے کی تکمیل موت کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ یہ نیند کی طرح ہے جس میں انسان سو کر تازہ دم ہو کر اگلے مرحلے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے نیند کو موت کی بہن بھی قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے ڈرنے کی بجائے اس کی حقیقت کو سمجھ کر اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوشش سے ہی دنیاوی اور اُخروی کامیابی میسر آسکتی ہے۔ جس پر انسان موت سے ڈرتا نہیں ہے بلکہ وہ خوشی خوشی اُس کا سامنا کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!۱۱

حوالہ جات:

۱۔ ابو الاعجاز، حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۹، ۱۶۰

۲۔ غلام رسول مہر، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۷ء، ص ۳۰

۳۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، کراچی: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، دسمبر ۲۰۰۵ء، ص ۱۷

۴۔ واصف علی واصف، قطرہ قطرہ قلزم، لاہور: کاشف پبلی کیشنز، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص ۱۸۹

۵۔ شریف کنجاہی، پروفیسر، خفتگانِ خاک سے استفسار، مقالہ، مشمولہ: اقبالیات کی مختلف جہتیں، مرتبہ: یونس جاوید، لاہور: بزمِ اقبال، جنوری، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۹

۶۔ شفیق احمد، ڈاکٹر، شرح بانگِ درا، لاہور: پاپولر پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۰ء، ص ۲۴

۷۔ سلیم ساگر، آنکھ بھر عکسِ تمنا، لاہور: بک ہوم، فروری، ۲۰۰۷ء، ص ۳۸، ۳۷

۸۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۷۲

۹۔ ایضاً، ص ۷۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۶۸

۱۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۶۴